مستقبل کا لائحہ عمل: فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں

Future Action Plan: In the Light of Iqbal's Thought

Ajaz Anjum
Hazara University, Mansehra
ajazanjum060@gmail.com

Abstract

Allama Iqbal's observations of the East and West in his life and the conclusions he came to after carefully examining the moods of the nations, those results are available in the form of two great manuscripts. One is "Armaghan-e-Hijaz" (The gift of *Hijaaz*) which consists of two parts, Urdu and Persian, and the other is Persian *Masnavi* "*pas che bayad kard, aye aqwaam e sharq*" (So what should be done, O nations of the East). These collections, which came to the fore in the last days of his life, can be said to look back on Allama Iqbal's own life and achievements. Here we find two elements simultaneously: there is a past that has been experienced and a future to be experienced. Allama Iqbal saw the future of the Muslim Ummah with his philosophical and intellectual vision for a long time and then formulated the keys and rules for shaping this future. Allama Iqbal studied the development history of the Nation of Islam from such a profound perspective, hardly any other personality in this century can compare. The people of the East have long strived to improve their destiny. Unfortunately, today, Asian youth are largely ignorant of Iqbal's thought. It is not just the youth—some older individuals are also misinterpreting and distorting his ideas. While Iqbal was shaping the future of this nation, he found himself on the path of non-existence. The central question of this paper is: how can a future action plan be prepared in accordance with the principles outlined in Iqbal's philosophy?

Keywords: Iqbal's philosophy, Muslim Ummah future, Eastern nations, future action plan, Islam, renaissance

کلیدی الفاظ: مستقبلِ ملتِ اسلامیہ، جمعیت، شکنجۂ جبر، اتصالِ ملت، نشأۃ ثانیہ، عالی نگاہی، انفصال و اختلافات

ملتِ اسلامیہ کی عمرانی تاریخ کا جس عمیق نظری سے علامہ اقبالؒ نے مطالعہ کیا شاید ہی کوئی شخصیت اس صدی میں ایسی ملے۔ بالخصوص اہلِ مشرق کے مقدر کو سنوارنے کی حتی المقدور کوشش کرتے رہے۔ بدقسمتی سے اس وقت ایشیائی نوجوان فکرِ اقبال سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ نوجوانوں پہ ہی کیا موقوف بعض اکثر معمر شخصیات اس حوالے سے کج فہمی و کج بینی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ حالانکہ اقبال اسی قوم کے مستقبل کو سنوارتے سنوارتے راہیِ عدم بقا ہوئے۔ مستقبلِ ملتِ اسلامیہ کے سدھار کے جو نقوش فکرِ اقبالؒ میں آئے انہی کی تلاش اس مقالے کا موضوع ہے۔

سابقہ تحقیقات اور درپیش مسئلہ

پیشِ نظر موضوع پہ قبل اس کے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اگر بحیثیتِ موضوع ہی دیکھا جائے تو اس پہ مزید کچھ کہنا عبث ہے۔ اگر اس کی افادیت کو سمجھتے ہوئے اس موضوع میں مزید وسعت پیدا کرنا مقصود ہو تو ابھی اس ضمن میں بہت کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ اس دور میں علامہ اقبالؒ کے افکار کو جو رنگ دیا جا رہا ہے اور نئی نسل کو جس طرح علامہ اقبالؒ سے دور کیا جا رہا ہے تو یہ صورتحال کسی بھی مبلغِ اقبال کے لیے لائقِ

برداشت نہیں ہے۔ بعض بڑی شخصیات بھی اقبالؒ کو نئی نسل کے سامنے پیش کرنے کے دوران ڈگر سے ہٹی جارہی ہیں، حالانکہ تصوراتِ اقبالؒ کا براہِ راست تعلق مستقبلِ ملتِ اسلامیہ سے ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ درپیش ہے کہ مستقبلِ ملت کے حوالے سے بار بار نئے نئے زاویوں سے افکارِ اقبال پر غور کیا جائے اور نئے راستے نکالے جائیں۔ علامہ نے بے شمار مقامات پر وہ قواعد واضح کر دیے ہیں۔ مستقبل کا لائحۂ عمل ان قواعد کے تحت کس طرح تیار کیا جاسکتا ہے جو افکارِ اقبال میں مرتب ہوئے ہیں؟ پیشِ نظر مقالے کا یہی بنیادی مقصد ہے۔

مقصدِ تحقیق

زیرِ نظر تحقیقی مقالے کا مقصد افکارِ اقبال کی روشنی میں قوم کی اصلاح ہے۔ اب تک کا زیادہ تر قومی طرزِ عمل نقائص کی نشاندہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ نقص کی نشاندہی ہو جائے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے مگر عمل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس صورت میں قوم کا مستقبل داؤ پر لگتا واضح نظر آرہا ہے۔ فرض یہ بنتا ہے کہ فکرِ اقبال کے تناظر میں قوم کے مستقبل کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کی جائے اور اس کے سدھار کا لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ یہی اس تحقیق کا مقصد ہے۔

سوالاتِ تحقیق

یہ مقالہ ان سوالات کے جوابات میں تخلیق ہوا ہے:

- ہماری قومی حیثیت کیا ہے؟
- ہم نے آزاد ریاست کیوں حاصل کی؟
- ریاستی کی سالمیت کس حد تک فکرِ اقبال کی پیروی پر منحصر ہے؟
- کیا علامہ اقبال نے آزاد ریاست کا تصور ہی دیا ہے یا اس کے مستقبل کو روشن کرنے کے اصول بھی بتائے ہیں؟

طریقِ تحقیق

پیشِ نظر مقالہ کا طریقِ تحقیق تاریخی یا دستاویزی ہے۔ مختلف کتب جن میں بنیادی حیثیت علامہ اقبال کے اردو و فارسی کلام کو حاصل رہے ہے، رسائل و جرائد اور انٹرنیٹ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ہر بات مع حوالہ پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ یہ تحقیق مقداری نہیں بلکہ معیاری اور غیر سندی تحقیق ہے۔

تحدید

پیشِ نظر موضوع ایک مختصر مقالے کا نہیں کتاب بلکہ کتب کا متقاضی ہے۔ یہ ایک وسیع بحث ہے جسے علامہ کے فقط شعری سرمائے تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔ کلامِ اقبالؒ میں موجود وہ افکار جن کا براہِ راست تعلق قومی فلاح کے کسی بھی باب سے ہو، انہی کو شاملِ بحث کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش یہ مقالہ اپنی اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس مقصد کے لیے علامہ اقبالؒ کے دو شعری مجموعوں، ارمغانِ حجاز (اردو) اور مثنوی "پس چہ باید کرد۔ اے اقوامِ شرق" (فارسی) کو بنیادی ماخذ کے طور پہ لیا گیا ہے اور تحقیق کا مرکز یہی دو مجموعے ہیں۔

دنیا کی بہت کم اقوام کو ایسی شخصیات میسر آئی ہیں جن کے افکار و خیالات قوم کے بکھرے شیرازے کو مجتمع کرتے ہوئے اپنے حلقوں سے نکل کر عالمی اذہان و قلوب کو متاثر کریں۔ قدرت نے جنھیں فکر کی دولت سے نوازا ہو اور فن ودیعت کر دیا ہو تا کہ فنی لوازمات کے تحت اپنے افکار انسانی جمعیت تک پہنچا سکیں۔ اگر حکیم الامت، علامہ اقبالؒ کے متعلق یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان کی صورت میں ایک ایسی ہی شخصیت امتِ مسلمہ کو عطا ہوئی تو بات بجا ہے۔ علامہ اقبالؒ شاعر اور مفکر کے روپ میں قومی منظر نامے پر اس وقت آئے جب مسلمان عالمی سطح پر شکنجۂ جبر میں جکڑا جا چکا تھا۔ جس خطے میں آنکھ کھولی وہ خطہ مغرب کی نو آبادی بن چکا تھا اور مسلمان گوراشاہی میں مقہوری کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ ایسی صورت میں مسلم اجتماعیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ قوم ایسے فکری جمود کا شکار تھی کہ دنیا کے آئینِ نو سے سہمی ہوئی اور طرزِ کہن پہ بضد، عظمتِ ماضی پہ نوحہ کناں تھی اور مستقبل پہ نظر کرنے کی تاب اس کی آنکھوں میں نہیں تھی۔ جب علامہ اقبالؒ کی چشمِ فکر کھلی اور ایسی صورتحال کا جائزہ لیا تو اس محرمِ راز نے ملتِ اسلامیہ میں پھیلی مایوسی کو دور کرتے ہوئے بکھرے عناصرِ قومی کو ایک وجود کی شکل دینے کا عزم کیا۔ ان کے افکار و خیالات ابتداء تا انتہا قوم کو ملت کا روپ دینے کی انتھک کوشش ہے۔ اگر ایک محقق علامہ اقبالؒ کی شاعری اور نثر کے مرکزی موضوع کو تلاش کرے تو وقتِ آخر وہ 'اجتماعیت کے قیام کی کوشش' جیسا نتیجہ ہی نکال کر سامنے لائے گا۔ اس پر علامہ اقبالؒ کی اپنی دلیل یوں، موجود ہے:

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را[1]

(ترجمہ: نغمہ کہاں اور میں کہاں، سازِ سخن تو ایک بہانہ ہے (ورنہ میرا مقصد تو) بے مہار اونٹنی کو قطار کی طرف کھینچنا ہے۔)

ناقۂ بے زمام کو سوئے قطار کھینچنا ہی اقبالؒ کی تاحیات کوشش رہی۔ ان کی زندگی کا خلاصہ پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان نے یوں پیش کیا ہے:

"اس طرح ہمالہ کی گودی میں خوش خوش کھیلتے عناصرِ فطرت کے حوالے سے جس "عالمِ دیگر" کا نقشِ طور کے خیمۂ اجتماع سے وادیِ مکہ کی اقامتِ صلوٰۃ تک کے موحدانہ تاریخی تعامل سے ابھارنا چاہا تھا، ہجرت کی جدید تر تعبیر کے ساتھ اخوت، مساوات اور بنی نوع انسان کے ضامن تصورِ اجتماع کو عام کرتے ہوئے ملکِ بقا کی طرف نکل گیا"۔[2]

علامہ اقبالؒ نے جس اجتماعیت کے قیام کی کوشش کی، اس کی بنیاد توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی ﷺ پہ ہے۔ ایک مرکزِ اتصالِ ملت ہے تو دوسرا وجہِ اتصالِ ملت۔ دونوں کی یکجائی سے ایک ایسا وجود تشکیل پاتا ہے جسے اقبالؒ کبھی ملتِ بیضا کہتے ہیں اور کبھی امتِ مرحوم کے نام سے پکارتے ہیں۔ افکارِ اقبالؒ کے اسی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر ایوب صابر (مرحوم) کا یہ بیان مفید معلوم ہوتا ہے:

"علامہ اقبال بڑے مفکر اور شاعر ہیں۔ نسلِ انسانی میں ایسی ہستیاں کم پیدا ہوئی ہیں جو بیک وقت بڑی شاعری اور بڑے فکر کی حامل ہوں۔ ان گنی چنی ہستیوں میں اقبال منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ وہ دنیا میں انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اس انقلاب کا باعث بن سکتی ہے۔ اقبال کی فکر انگیز اور حیات پرور شاعری مسلمان کو مسلمان بنانے اور ملتِ اسلامیہ کو عالمی قیادت پر فائز کرنے کے لیے ایک محرک قوت ہے۔ اسلامی دنیا کے لیے وہ ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی حیثیت آفاقی بھی ہے۔ مادہ پرستی کے ظلمات میں وہ دنیا بھر کے لیے ایک روشن ستارہ ہیں"۔[3]

جس نشاۃ ثانیہ کو علامہ اقبالؒ انقلاب کا باعث سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ علامہ اقبالؒ کے تصورِ ملت کی بدولت ہی ممکن ہے۔ جب قوم ایک وجود بنے گی تو زندگی کی رو اس میں دوڑے گی۔ اس مردہ جسم میں پھر سے روح پھونکنا ہی حیات و افکارِ اقبال کا محاصل ہے۔

حکیم الامت نے اپنے تصورات کو ایک خاص مشاہدے سے گزار کر فطری ارتقاء سے وہ مضبوطی عطا کی ہے کہ راسخ الدماغ کوئی بھی شخص اعتراض نہیں اٹھا سکتا۔ اقبالؒ کی نظر ابتداء ہی سے ملتِ اسلامیہ کے مستقبل پہ لگی تھی۔ جس قدر نظریات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، دراصل مستقبلِ ملتِ اسلامیہ کے پر نور ہونے کے کلیے ہیں۔ ایک نوجوان شاعر جب ہندوستان کی روبہ زوال معاشرت میں ملتِ اسلامیہ کی انفرادیت کو مٹتے ہوئے دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے:

ہم صفیرو! تم مری عالی نگاہی دیکھنا
شاخِ نخلِ طور تاڑی آشیانے کے لیے[۴]

وقتی طور پر بالغ سوچ کے حاملین نے اس پر توجہ نہیں دی مگر نوجوان شاعر بدستور اپنے تصور کو حقیقت کا جامہ پہنانے میں مصروف رہا۔ جب ۱۹۰۶ء میں اس مبہم تصور کو حقیقی روپ ملنے کی امید نظر آئی تو نظم "مارچ ۱۹۰۷ء" لکھ کر یورپ کو للکارا کہ تمھاری تہذیب اپنے ہی خنجر سے اپنا گلا کاٹنے جا رہی ہے۔ وہ راز جن کا ابھی تک میں اکیلا ہی رازداں تھا، اب اس چمن میں ہزاروں اور رازداں پیدا ہوں گے۔[۵] بالآخر تیس سال کی مسلسل محنت کے بعد عالی نگاہی سے تاڑی گئی اس شاخِ نخلِ طور کو خطبہ الٰہ آباد میں علیٰحدہ اسلامی ریاست کا نام دیا اور پاکستان (گو کہ نام اس وقت نہیں دیا گیا) کو ملتِ اسلامیہ کے مقدر کا ستارا بنا کر دکھایا۔ یہ ہے مستقبلِ ملتِ اسلامیہ کا وہ فکری ارتقاء جو اقبالؒ کے ہاں ملتا ہے۔ انھوں نے یہ تصور محض جذباتی سطح پر آ کر ہی نہیں دیا بلکہ پس منظر میں ماضی کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ اگر مسلمانوں کا ماضی شاندار تھا تو اس کی وجوہات کیا رہی ہیں، اگر اس وقت امتِ مسلمہ مقہور ہے تو اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ علامہ اقبالؒ اس سے بخوبی واقف تھے۔ گو کہ مستقبلِ ملت کے اس نظریے سے بعض شخصیات کی طرف سے خاصے اعتراض کا سامنا کرنا پڑا مگر اقبالؒ ماضی، حال اور مستقبل سے کماحقہٗ واقف تھے۔ ان کی چشمِ بصیرت نے یہ مسلّمہ حقیقت مترشح کر دی تھی کہ اگر برصغیر میں مسلمانوں کا وجود برقرار رہنے کی کوئی وجہ بن سکتی ہے تو وہ آزاد اسلامی جمہوریہ کا قیام ہی ہے۔ فطرت کا فیصلہ بھی فکرِ اقبالؒ کے حق میں تھا۔

یہاں علامہ اقبالؒ کے ان نظریات کا ذکر بھی کر دینا ضروری خیال کیا جاتا ہے، جو ماضی کے متعلق سامنے آتے ہیں۔ حکیم الامت کے نزدیک مسلمانوں کے ہاتھ سے کوشش و جستجو کا علَم، باہمی انفصال و اختلافات کے ساتھ ساتھ اس غیر اسلامی تصوف نے چھینا، جو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ دنیا محض دھوکہ ہے اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا آئندہ ہو گا، تقدیرِ الٰہی ہے۔ اس سے مسلمانوں میں فکری جمود آ گیا اور جد و جہد کی صفت مفقود ہو گئی۔ تصوف وحدت الوجود نے ایک اچھے خاصے باشعور دماغ کا حالتِ سُکر میں مبتلا کر کے رزمگاہِ حیات سے بیگانہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے وجودی تصوف پر خوب تنقید کی، یہاں تک کہ ایسے تصوف کو زندیقیت کی حد تک خطرناک تصور کیا، جس کے پہلے پہل وہ خود بھی معتقد تھے۔ جب بعد میں قرآنِ شریف پر تدبر کیا گیا تو یہ تصوف علامہ اقبالؒ کو غیر اسلامی عناصر سے پُر نظر آیا اور ان عقائد و مسائل - جو بعد از تدبر بر قرآنِ حکیم غیر اسلامی ثابت ہوئے - سے توبہ کر لی۔[۶] علامہ اقبالؒ کے اپنے الفاظ میں: "میں تو اس مذہب سے جو میرے نزدیک ایک قسم کی زندیقیت ہے، تائب ہو کر خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہو چکا ہوں"۔[۷]

دیکھنا یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک وہ کون سا مذہب ہے جو ایک قسم کی زندیقیت ہے۔ اپنے ایک مقالے میں وہ وحدت الوجود پر مفصل بحث کرتے ہوئے حالتِ سُکر کے متعلق کہتے ہیں کہ کسی روز فرصت میں ثابت کر دوں گا کہ علمِ الٰہیات کے اعتبار سے یہ حالت زندگی کے لیے نہایت ہی مضر ہے اور جو لوگ اس حالت کو مستقل بنا لیتے ہیں وہ کشمکشِ حیات کے بالکل قابل نہیں رہتے اور ملّی اور قومی اعتبار سے بھی اس کے مضر ہونے کی مثالیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں۔(۸) اسی طرح کے طرزِ تصوف نے مسلمانوں کو تقدیر کا وہ سبق سکھلایا جس سے فاتح قوم مفتوح ہو کر رہ گئی۔ یہاں علامہ اقبالؒ نے بڑی ہی معنی خیز بات کی ہے:

"دیکھنا یہ ہے کہ کیا سُکر کی حالت اسلامی تعلیم کا منشا ہے؟ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی زندگی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ایک مسلمان قلب کی مستقل کیفیت حالتِ بیداری ہے نہ کہ حالتِ سُکر"۔(۹)

اسی حالت یا طریق کو علامہ اقبالؒ نے زندیقیت کہا اور پھر قوم پر اپنا عقیدہ واضح کر دیا:

"میرا مذہب یہ ہے کہ اسلام نے دین و دنیا کے فرائض کو یکجا کیا ہے اور اسی طرح بنی نوع انسان کے لیے ایک معتدل راہ قائم کی ہے۔ جہاں یہ سکھایا ہے کہ تمھارا مقصودِ ازلی اعلائے کلمتہ اللہ ہے وہاں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ فِي الدُّنْيَا (دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر) "دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ" اسلام کی تعلیم نہیں۔۔۔ ترک الاسباب جہالت یعنی اسبابِ دنیا کا ترک کرنا جہالت ہے ولاعتماد علیہا شرک اور ان پر اعتماد کرنا شرک ہے"۔(۱۰)

"دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ" وحدت الوجود ہی کے ضمن میں ملتِ اسلامیہ کی صفوں میں گھس گیا جو کہ افلاطونی عینیت پسندی کی ایک شکل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس پر کاری ضرب لگاتے ہوئے لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ فِي الدُّنْيَا جیسی بلیغ آیتِ قرآنی سے مسلمان کو آمادہ بر عمل کیا۔ حالتِ بیداری کے خلاف خواب آور ہر فکر زندیقیت ہی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک جگہ بالکل واضح کہا ہے:

ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست
پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست(۱۱)

(ترجمہ: ہر وہ جو تخلیقی سوچ کی قوت نہیں رکھتا، ہمارے نزدیک اصل کافر اور منافق ہے۔)

قوتِ تخلیق، کارِ دنیا ہی ہے۔ انسان کی سب سے خوبصورت تخلیق دراصل نصب العین کی تخلیق ہے اور اس نصب العین کو پانے کی کوشش و جستجو انسان کے زندہ ہونے کی دلیل۔ علامہ اقبالؒ کا یہی تصورِ عشق ہے۔ لہٰذا اس پہلو پر وہ فاش تر لفظوں میں کہہ گئے:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق(۱۲)

جب مسلمانوں کی قوتِ تخلیق اور حرکت و عمل کی صفت مٹ گئی تو زوال کا آنا فطری تھا۔ یہیں سے مستقبل کی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے زمانۂ حال (اقبال کا زمانہ) کا گہرا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے عہد کے مسلمانوں کو یورپ اور ابلیسی قوت کے ارادوں سے واقف کرتے ہوئے آنے والے دنوں میں اپنی حفاظت کا عندیہ دے دیا۔ مزاجِ زمانہ سے واقف اس مردِ خود آگاہ نے "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" (نظم) لکھ کر ابلیس کی تمام تر چالوں کو بے پردہ کر دیا۔ ابلیس جس شرعِ پیغمبرؐ کے زندہ ہونے سے لرزتا ہے، علامہ اقبالؒ نے اسے زندہ کرنے کی انتھک محنت کی

ہے۔ ابلیس اور اس کے مشیر مل کر مسلمانوں کے مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔ جب ازل تا امروز ابلیس شرعِ پیغمبرؐ کا دشمن ہے تو اس کا سب سے بڑا حدف اور نصب العین یہی ہے کہ مسلمان تا ابد غلام رہے۔ محرمِ راز نے یورپ کے اس قبیح چہرے کو قبل از وقت امتِ مسلمہ کے سامنے لا کر ثابت کر دیا کہ وہ حال پر نظر رکھتے ہوئے مستقبل کے اصول و قواعد مرتب کر رہے ہیں۔ معیشت پر نگاہ کرنے کے بعد جب اس بشری ابلیس نے مسلمانوں کو خود ساختہ وطنی بت کی پوجا کا درس دیا تو علامہ اقبالؒ جو کہ اس وقت کی واحد آشنا شخصیت تھے، نے اس بت کو توڑنے کے ہزار جتن کیے۔ یہاں تک کہ امام العجم مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی الجھنا پڑا۔ ابھی ابھی علامہ اقبالؒ آزاد اسلامی ریاست کے تصور کی مخالفت کو مٹا کر باہر نکلے تھے کہ قادیانی فتنے سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اس فتنے کا آنے والے دنوں میں ایسا دیرپا اثر ہوتا کہ مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ علامہ اقبالؒ نے اس امت کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے انگریز حکام کو باور کروادیا کہ یہ فرقہ مسلمانوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ اس زد میں ہربرٹ ایمرسن اور جواہر لال نہرو بالخصوص آئے جو کہ قادیانیت کو اسلام کی ہی ایک شاخ گردانتے تھے۔ ان دو میدانوں میں فتح حاصل کرنے کے بعد وطنیت کے ابلیسی تصور کے خلاف تلوار کھینچنا پڑی۔ یہ تمام معرکے دراصل مسلمانوں پر ان کے آنے والے وقت کو عیاں کرنا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کئی جگہوں پر اپنی فکر کرنے کا درس دیا اور اسی وطنی تصور کے زہر سے محفوظ کرنے کے لیے نظم تصویرِ درد میں کہا:

نہ سمجھو گے تو مِٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں (۱۳)

جب وطن کا سیاسی تصور جڑ پکڑ لے تو تباہی مقدر ہے۔ علامہ مرحوم نے مسلمانوں کے لیے وطنیت اور قادیانیت کو ایک ہی طرز کے دو پہلو قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متنبہ کر دیا کہ یورپ تمھارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یورپ سے کوئی تصور لینا بھی ہے تو پہلے اس کے تمام تر پہلوؤں پر اچھی طرح غور و فکر کر لیا جائے۔ علامہ اقبالؒ نے جمعیتِ اسلامی کے ازلی دشمن یہود و نصاریٰ کے مکروہ چہروں سے پردہ اٹھا کر قوم پر عیاں کر دیا کہ کس طرح ایک عام مسلمانو کو رام کیا جارہا ہے اور کبھی سیاسی نظام، کبھی نظامِ تعلیم، کبھی جمہوری نظام، کبھی معاشی نظام اور کبھی کون سا نظام متعارف کروا کر درحقیقت دشمنانِ اسلام، نوجوان اذہان کو مسخر کر رہے ہیں اور اس کوشش میں مغربی ابلیس کئی طرح سے کامیاب ہو بھی چکا ہے۔

علامہ اقبالؒ کا وہ خواب جو ۱۹۳۰ء میں دیکھا گیا وہ حقیقت بن گیا مگر مشکل یہ درپیش آئی کہ اس ریاست کی تقدیر کیا ہے؟ اس کا انتظامی ڈھانچہ کیا ہو گا؟ اس ریاست کو اپنے قدموں پر کیسے کھڑا کیا جائے گا؟ اگر ان تمام سوالوں کو جواب فکرِ اقبالؒ میں تلاش کیا جائے تو پھر کسی دوسری جانب نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ڈاکٹر ایوب صابر (مرحوم) کا بیان اس حوالے سے بڑا ہی معنی خیز ہے:

"پاکستان کے لیے اقبال کی اہمیت کہیں زیادہ ہے۔ یہ ملک اقبال ہی کے نظریۂ قومیت کا ثمر ہے۔ انھوں نے اپنے افکار کو پُر تاثیر شاعری اور واضح نثر میں پیش کیا اور عملی سیاست میں حصہ کے کر جداگانہ مسلم ریاست کی راہ ہموار کی۔ جس طرح تصورِ پاکستان اقبال کا مرہونِ منت ہے، اس طرح استحکامِ پاکستان کا انحصار بھی اقبال کے افکار پر ہے۔ مستحکم پاکستان عالمِ اسلام کے اتحاد میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور متحدہ عالمِ اسلام تعمیرِ نو کے عمل سے گزر کر دنیا بھر کو حق کی راہ پر گامزن کر سکتا ہے"۔ (۱۴)

بلا شبہ یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ علامہ اقبالؒ نے محض ہوائی تصور ہی نہیں دیا بلکہ جس ریاست کا تصور دیا اس کے استحکام کے تمام تر لوازمات کو پورا کیا ہے۔ ایک آزاد ریاست کو اسلامی جمہوریہ ہو اس کا سیاسی نظام کیا ہونا چاہیے؟ اقبالؒ نے اس فکر کو دین کے تابع کر دیا:

؎جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی(۱۵)

تاریخ پر نگاہ کی جائے تو واقعۂ کربلا ایک انقلابی حیثیت اختیار کرتا دکھائی دے گا کہ اس واقعے سے قبل دین و سیاست میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔ اس کے بعد سیاسی نظام ملوک بادشاہوں کے ہاتھ میں چلا گیا اور دین کا فریضہ فقہا کے ہاتھ رہا۔ دین و سیاست میں اس طرح دراڑ پڑ گئی کہ دوبارہ یہ باہم یکجا نہ ہو سکے۔ علامہ اقبالؒ کی گہری نظر اس تاریخی معمے پر تھی، اس لیے وہ شرعی قانون سازی بذریعہ پارلیمنٹ چاہتے تھے۔ یعنی ہندوستانیوں کو شورائی نظام کا شعور دینا چاہتے تھے جس سے ہندستان ابھی ناواقف تھا۔ یہ وہ آئینِ نو تھا جس پر آنا بالآخر اہلِ ہند کا مقدر تھا۔ علامہ اقبالؒ دوبارہ سے دین و سیاست کو یکجا کر کے دین و دنیا کی جدائی کو مٹا دینا چاہتے تھے۔(۱۶) گو کہ ہندوستان میں اس کی عملی صورت نہ دیکھی جا سکی مگر ان کے ہی تصور پر تشکیل پانے والی اسلامی جمہوریہ میں اب تک ایسا کیوں ممکن نہ ہو سکا؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے کہ اگر اس کو حل کر لیا جائے تو پاکستان کا مستقبل خلافت راشدہ جیسی برکات کا حامل ہو جائے گا۔ یہ منزل کٹھن ہے جس کا اندازہ خود علامہ اقبالؒ کو بھی ہے:

؎آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کُہن پہ اَڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں (۱۷)

اس کٹھن منزل کو عبور کرنے کے بعد ریاستِ اسلامیہ میں آئین سازی کی بات آتی ہے۔ کس نہج پر آئین سازی ہو کہ اسلامی اصول و قواعد زندہ ہو جائیں اور مسلمان امن پائے۔ وہ راستہ فقط وحی کی طرف رجوع کا راستہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قرآنِ مجید کو ہی اول و آخر نجات کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآنِ مجید ہی وہ رہنما ہے جو یومِ آخر تک انسان کی راہیں ہموار کر سکتا ہے۔ 'اقبالؒ اور درسِ قرآن فہمی' کے عنوان سے راقم کا ایک دوسرا مضمون موجود ہے جس میں اقبال کا قرآن سے رشتہ اور قومی نجات کا ذریعہ کا واحد ذریعہ قرآن جیسے موضوع پہ افکارِ اقبالؒ پیش ہوئے ہیں۔ یہاں یہ بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ کلامِ اقبالؒ میں قرآنِ مجید کو آئین سازی کی حد میں کیسے دیکھا گیا ہے؟ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

؎آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم(۱۸)

یعنی قرآنِ حکیم ایک زندہ کتاب ہے جس کی حکمت لازوال اور قدیم ہے۔ جب قرآن زندہ کتاب بھی ہے اور حکمت و دانائی کا ایک مجموعہ بھی تو مسلمان کو کسی دوسری جانب دیکھنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہو۔ قرآنِ کریم کو زندہ کتاب کہنا بھی اقبالؒ کا ہی خاصہ ہے۔ قرآنِ مجید کی عملی شکل سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ قرآنِ مجید ایک جامع کتاب ہے جس کی شرح سنتِ رسول ﷺ میں ملتی ہے۔ اسی لیے اقبالؒ نے مسلمانوں کا رخ قرآن و سنت کی طرف موڑنے کے جتن کیے ہیں۔ محرمِ راز کی یہ کوشش کس حد تک فطری ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ گزشتہ پچھتر سالوں میں آج تک وہ چین، اطمینان اور سکون حاصل نہ ہو سکا جس کی خاطر یہ ریاست حاصل کی گئی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ روزِ اول سے ہی اسلامی قواعد و ضوابط کو رہبر نہیں بنایا گیا۔ جب قرآنِ مجید ایک جامع کتاب اور سنت، قرآنِ پاک کی عملی صورت ہے تو حکیم الامت کا یہ کہنا کس قدر سچا معلوم ہوتا ہے:

؎ بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است(۱۹)

(ترجمہ: اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادو کہ وہی دین کی اساس ہیں؛ اگر وہاں تک نا پہنچ پائے تو پھر تیرے سارے اعمال ابولہب والے ہیں۔)

دین ہی وہ واحد راستہ ہے جس میں نجاتِ کلی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک سارے کا سارا دین ہی نبیِ آخر الزماں ﷺ ہیں۔ یہاں ذرا غور کیا جائے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کس طرح ریاست کے سیاسی ڈھانچے کی تعمیر و ترکیب میں راہنما ہے؟ ریاستِ مدینہ ایک ایسا نمونہ ہے جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کو شریعتِ محمدی ﷺ کی عظمت کا احساس دلواتا رہے گا۔ ریاستِ مدینہ ایک اسلامی جمہوری ریاست وجود میں آئی جس کا آئین قرآنِ مجید تھا۔ پھر اس ریاست کی تاریخی عظمت اور قیصر و کسریٰ پر اس کا رعب و جلال دلیل ہے ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ۛ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ (۲۰) کی کہ قرآنِ مجید وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ہدایت ہے متقین کے لیے۔ اسی ہدایت کی روشنی میں ہی ریاستِ مدینہ بڑی بڑی طاقتور سلطنتوں کے لیے پیغامِ اجل ثابت ہوئی۔ علامہ اقبالؒ نے مسلم معاشرے کو قدم قدم پر قرآنِ مجید کی طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے:

؎ قُرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جِدّتِ کردار(۲۱)

ایک بالغ ذہن یہ سوچتا ہے کہ نصوصِ قرآنیہ کی ہزاروں شروحات ہو چکی ہیں، اقبالؒ پھر اسی جانب جدتِ کردار کی غرض سے جھکنے کی تلقین کیوں کر رہے ہیں؟ یہ قرآنِ مجید کا معجزہ ہے کہ ہر بار فکر و تدبر کی بدولت کوئی نیا موتی ضرور ملتا ہے۔ انفرادی زندگی کو قرآنِ مجید کا عملی روپ بناتے ہوئے اجتماعیت کے قیام سے وہ برکات حاصل ہو سکتی ہیں جو کبھی خلافتِ راشدہ کے زمانے میں مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ اس لیے کہ:

؎ صد جہان باقی است در قرآن ہنوز
اندر آیاتش یکی خود را بسوز(۲۲)

قرآنِ مجید حکمت کی وہ کہکشاں ہے جس میں ابھی سیکڑوں جہان دریافت کرنے باقی ہیں۔ اس کی آیات کے سوز سے مسلمانوں کو تپش حاصل کرنی ہے۔ مسلم معاشرے کی آئین سازی کے لیے قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کرنا ایسا حیات افروز تصور ہے جو مستقبل میں ہر قدم پر انسان کے ہم راہ رہے گا۔ یہی وہ ضرب ہے جو سیکولرازم اور لبرل ازم کے سر پہ پڑتی ہے اور ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے جنھیں پوجنے سے مسلمان شخصی و اجتماعی غیرت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ علامہ مرحوم نے فقط قرآنِ حکیم کا سہارا لے کر ان سارے ازموں کو پھونک ڈالا۔ آئندہ سطور میں مزید عوامل پر روشنی ڈالنے کے بعد دوبارہ سے قرآن کی طرف لوٹا جائے گا، یہ دیکھنے کے لیے کہ حکیم الامتؒ کے ہر تصور پر قرآنِ حکیم کی چھاپ ہے۔

جب مسلم معاشرے کی قانون سازی کے بعد عدلیہ پر نظر کی جاتی ہے تو علامہ اقبالؒ اس معاشرے کے عدالتی نظام کو عدلِ صدیقیؓ و فاروقیؓ سے روشن کرتے نظر آتے ہیں۔ پیامِ مشرق میں ایک جگہ کہتے ہیں:

؎ تازہ کن آئینِ صدیقؓ و عمرؓ
چون صبا بر لالۂ صحرا گزر(۲۳)

علامہ اقبالؒ نے یہاں آئینِ صدیقؓ و عمرؓ کو پھر سے زندہ کرنے کی جو تلقین کی ہے، اس سے ہر روشن دماغ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مسلم معاشرے میں جو عدل و انصاف کے پھول ان ہستیوں کے ہاتھوں کھلے اور کھل کر مسکرائے، دوبارہ سے بادِ صبا ان پھولوں کی پتیوں کا بوسہ چاہتی ہے۔ یہ عدل کا وہ ابدی نظام ہے جسے کوئی زوال نہیں۔ مسلمان کے ہاتھ سے یہ ڈوری چھوٹ گئی ہے جسے علامہ اقبالؒ دوبارہ تھمانا چاہتے ہیں۔ یہاں سراسر استرداد ہے اس سوچ کا جس نے اقبال کے مغربی افکار و مفکرین سے متاثر ہونے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ اس وقت یہود و نصاریٰ پر اگر عملاً یا نظراً غلبہ حاصل کرنا ہے اور مستقبل میں شانِ رفتہ کے ساتھ سر اُٹھا کر چلنا ہے تو اجداد کا بتایا گیا یہ راستہ اختیار کرنا ہو گا۔ کامیابی کا کوئی دوسرا راستہ ہے ہی نہیں۔ اگر اغیار کے پامال شدہ راستوں کا مسافر بن کر مستقبل سنوارنے کی سوچی جا رہی ہے تو یہ محض خود فریبی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے امتِ مسلمہ کے مستقبل کا جو لائحہ عمل تیار کیا ہے، وہ سراسر قرآنی منصوبہ ہے۔ یہ وہی منصوبہ ہے جس پر اصحابؓ نے مداومت فرمائی۔ ارمغانِ حجاز (فارسی) میں پیامِ فاروقؓ کے عنوان سے ۹ رباعیات نظامِ عدل پر شاملِ مجموعہ کی ہیں۔ یہاں دو ہی رباعیات کا تذکرہ کافی خیال کیا جاتا ہے:

جہانگیری بخاک ما سرشتند
امامت در جبین ما نوشتند
درون خویش بنگر آن جہان را
کہ تخمش در دلِ فاروقؓ کشتند(۲۴)

کہتے ہیں کہ حکومت ہماری خاک میں گندھی ہوئی ہے۔ ہماری جبین پر امامتِ ابدی رقم ہے۔ اپنے اندر اس جہان کو آباد کر جس کا بیج حضرتِ عمرِ فاروقؓ کے دل میں بویا تھا۔

سارا جہان واقف ہے کہ حضرتِ عمرؓ اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے شہرت کے بامِ عروج پر ہیں۔ اسی جہان کو پھر سے آباد کرنے کا درس علامہ اقبالؒ نے دیا ہے۔ اسی کے ساتھ متصل دوسری رباعی میں کہتے ہیں:

مسلمانے کہ خود را امتحان کرد
غبار راہ خود را آسمان کرد
شرار شوق اگر داری نگہدار
کہ باوے آفتابی میتوان کرد(۲۵)

نہایت غور طلب بات ہے۔ پیغامِ فاروقؓ جیسے بلیغ موضوع میں ایک نصیحت ہے کہ وہ مسلمان جس نے اپنی صلاحیتوں کو منایا، اس نے اپنے غبارِ راہ کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اگر تیرے دل میں شوق کا شرر موجود ہے تو وہ کبھی غافل نہیں ہو سکتا اور جبکہ وہ غافل نہیں ہے تو عدل سے غفلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ علامہ اقبالؒ کے تصورات اس طرح باہم متصل ہیں کہ ہر ایک دوسرے کا لازمہ معلوم ہوتا ہے۔ نظامِ عدل کے قیام میں شررِ شوق کس طرح معاون بن رہا ہے کہ معاشرے میں یہ شرر سورج کی شکل اختیار کر کے عدل کا نور پھیلائے گا اور ظلم کے اندھیرے چھٹتے رہیں گے۔

اگر کلامِ اقبالؒ پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو ۱۹۰۱ء میں جب وہ شاخِ نخل طور تاڑ لیتے ہیں تو وہیں سے مستقبل کا لائحہ عمل تیار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمالہ کی گودی کو عناصرِ فطرت کی بازی گاہ کہتے ہوئے گردشِ ایام کے پیچھے کی طرف دوڑنے کی آرزو کرنے لگتے ہیں کہ عہدِ نبوت و

خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کی برکات جو درحقیقت اجتماعیت کی برکات تھیں، حاصل ہونے لگ جائیں۔ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۹ء میں (منٹو مارلے اصلاحات کی اشاعت ومابعد) مغربی استبداد کے خاتمے کی خوشیاں مناتے ہیں جب ہندوستان کی کوئی سیاسی شخصیت اس طرف نگاہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ سب سے بڑا نمونہ اگر مستقبل سازی کے حوالے سے سامنے آتا ہے تو وہ نظم "شکوہ" ہے۔ یہ وہ نظم ہے جس میں مسلمانوں کی زوال پذیر صورتحال کا نوحہ ربِ قدوس کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہر قاری اپنے نقصان کو بھانپ رہا ہے اور احساسِ زیاں پیدا ہو رہا ہے۔ ماضی کے ان نقصانات کی تلافی "جوابِ شکوہ" سے کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کے سامنے اس کے روشن مستقبل کی ایک خوبصورت مثال پیش کر دیتے ہیں۔

ایک لمحے کے لیے یہاں اجتماعیت سے انفرادیت کی طرف لوٹا جائے تو ہر قسم کا احساسِ زیاں دلانے کے بعد ایک مردِ مسلمان سے ہمدردانہ اظہار کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ یوں نصیحت کرتے ہیں:

مثلِ بُو قید ہے غُنچے میں، پریشاں ہو جا — رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرّے سے بیاباں ہو جا — نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا!

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے[۲۶]

بین السطور گزر چکا کہ عشق کیا ہے۔ بنا عشق کے مسلمان بھی کافر و زندیق ہے اور اگر عشق ہے تو کفر بھی مسلمانی ہے۔ یہاں بھولنا نہیں چاہیے کہ مسلمانی یا کفر کے الفاظ علامہ اقبالؒ کے اس حوالے سے وضع کردہ معنوں میں آ رہے ہیں کہ اصولِ فطرت کو تسلیم کر کے اپنی زندگی ان خطوط پہ استوار کرنا مسلمانی ہے اور اصولِ فطرت کی نفی کر دینا کفر ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر آن عروج حاصل کرنا چاہتا ہے۔ صعودِ آدم کی یہ کشمکش فطری ہے۔ اگر انسان غلامی کو ہی پسند کر لے اور عمل سے بے زار ہو جائے تو یہ فطرت کے اصولوں کا انکار ہے۔ مذکورہ بند میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر پستی سے بلندی کا سفر مقصود ہو تو بغیر عشق کے ممکن ہی نہیں۔ اس راہ میں جو ہادیِ کامل ہیں وہ رسولِ آخر الزماں ﷺ ہیں۔ انؐ کے نور سے نورِ ہدایت لینا اور اندھیروں میں سفر کرتے ہوئے مقامِ صعود تک پہنچنا ہے۔ آخر میں دو عوامل کو یکجا کرتے ہوئے گویا اپنے تصور کو تکمیلی صورت بخشتے ہیں:

عقل ہے تیری سِپَر، عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسِوَی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تُو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں[۲۷]

عقل اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے جو مخلوقاتِ الٰہی کو عطا ہوئی۔ انسان کو امتیازی شان بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے عقلِ سلیم سے نوازا۔ اسی عقلِ سلیم کو ڈھال بنانے کا پیغام علامہ اقبالؒ کی طرف س مل رہا ہے۔ یہ ڈھال کس خطرے سے محفوظ رکھے گی؟ اس کا جواب گزشتہ سطور میں دیا جا چکا ہے۔ وہ خطرات مغرب کے مختلف افکار و نظریات ہیں جو سادہ لوح مسلمانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لیے تیار

ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مختلف النوع نظریات جن سے عوام ہی نہیں بلکہ خواص میں سے بھی اکثریت ناواقف رہتی ہے کہ اس میٹھی گولی کے اندر زہر کتنا ہے۔ اس کی سب سے واضح شکل تو تعلیمِ عصرِ حاضر ہے۔ ایک مردِ فرنگی اپنے پسر کو نصیحت کرتے ہوئے مشرقی جوان کے متعلق کہتا ہے:

؎ تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر[۲۸]

پسرِ فرنگی نے اپنے بزرگ کی نصیحت پر خوب عمل کیا ہے اور عہدِ جدید کی تعلیم نے الحاد کے وہ بیج بوئے ہیں کہ مذہب ثانوی حیثیت سے بھی نیچے چلا گیا ہے جسے حکیم الامتؒ نے مقدم گردانا تھا۔ اسی طرح وطنیت، مغربی جمہوریت جو کہ اصل میں شاہی نظام پہ ہی فریب کا نقاب چڑھایا گیا ہے، سرمایہ داری، لبرل ازم، سیکولر ازم، فاش ازم وغیرہ وغیرہ وہ حملے ہیں جن سے بچنے کے لیے علامہ اقبالؒ نے عقل کو بطورِ ڈھال استعمال کرنے کی نصیحت کی ہے۔ اس لیے کہ وہ عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر تھے۔ بقول ان کے وہ اس آگ میں مثلِ خلیل ڈالے گئے تھے۔[۲۹] جب بات آنے والے وقت میں مقاصد کے حصول کی آتی ہے تو وہاں عشق کی تلوار کارآمد ہے جو ہر خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ اگر مسلمان اس اصول سے ہی کماحقہٗ واقف ہو جائے تو ہر نظری و فکری غلامی کا طوق گلے سے اتار پھینکے۔

معاشرتی سطح پر اقبالؒ نے افراد کو مستقبل کے کٹھن اوقات سے نبرد آزما ہونے کے لیے جو تربیتی پروگرام دیا ہے، اس سے بھی انکار ممکن نہیں۔ حکومتی ڈھانچے کی تیاری کے جتنے تصورات گزشتہ سطور میں گزرے ہیں علامہ اقبالؒ طلوعِ اسلام کے ایک شعر میں سب کو ہی جمع کر دیا ہے:

؎ سبَق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[۳۰]

جب ایک فرد میں صداقت، عدالت اور شجاعت جیسے تینوں اوصاف (مقصدِ حیاتِ انسانی) جمع ہو جائیں اور یہ انفرادی سے اجتماعی حیثیت حاصل کر جائیں تو اس مسلم معاشرے کا مستقبل کتنا تابناک ہو گا، اس کا ادراک اہلِ بصیرت ہی کر سکتے ہیں۔

ان چیدہ چیدہ مثالوں سے بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ علامہ اقبالؒ نے فرد اور معاشرہ دونوں کو بیک وقت اپنی توجہ کا مرکز بناتے ہوئے مسلمانوں کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ چند نظموں کا حوالہ ناگزیر معلوم ہو رہا تھا اس لیے شکوہ، جوابِ شکوہ، طلوعِ اسلام، پیامِ فاروقؓ اور دیگر نظمیں علامت کے طور پر پیش کی گئی ہیں جو کہ حساس طبیعت کے لیے متاعِ حیات ہیں۔

دو مجموعوں کا بالخصوص تذکرہ ضروری ہے۔ ارمغانِ حجاز (اردو فارسی) اور مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق!۔ یہ دونوں مجموعے علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری دو تر میں منظرِ عام پر آئے۔ مجموعہ ارمغانِ حجاز وصالِ اقبالؒ کے بعد شائع ہوا جبکہ مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق! ۱۹۳۶ء میں طبع ہو چکی تھی۔ یہ وہ مثنوی ہے جس میں اقبالؒ نے سفر افغانستان میں پیش آنے والی واقعات کی روحانی تعبیرات کی ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اے اقوامِ مشرق! اب کیا کرنا چاہیے۔ یعنی اب جبکہ مغربی استحصال کا شکار ہو ہی چکے ہیں تو آئندہ آنے والے وقت کے بارے میں ہم نے کچھ سوچا کہ نہیں؟ اسی سوال کا جواب مثنوی میں تلاش کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے یہاں بھی اپنے متعلق کہا ہے:

جز تو اے دانائے اسرارِ فرنگ
کس نکو ننشست در نارِ فرنگ(۳۱)

کہ مغرب کے اسرار کے جاننے والے (اقبال) تیرے بنا یورپ کی آگ میں بیٹھ کر کوئی سلامت باہر نہیں آیا۔ اسی کے ساتھ ہی مغرب کے گھڑے بتوں کو توڑنے کا فارمولا پیش کرتے ہیں:

باش مانندِ خلیل اللہ مست
ہر کہن بت خانہ را باید شکست(محولہ)

علامہ اقبالؒ نے حضرت ابراہیمؑ کی مثال پیش کی ہے کہ انؑ کی طرح اپنے حال میں مست رہ، اس طرح ہر بت خانۂ کہن ٹوٹ جائے گا۔ جب تک مسلمان اپنے ہی راستے پر گامزن رہے گا جو دراصل قرآن و سنت کا راستہ ہے تو کوئی بھی ابلیسی طاقت اس کو روبہ زوال نہیں کر سکتی۔ اگر اسی پر ہی نیک نیتی سے غور کر لیا جائے تو مستقبل سنوارنے کا یہی اصول سب سے بڑا اصول ہے۔ البتہ تھوڑا آگے گزر کر علامہ اقبالؒ مہرِ عالمتاب سے خطاب کرتے ہیں:

چون شود اندیشۂ قومی خراب
ناسرہ گردد بدستش سیمِ ناب
میرد اندر سینہ اش قلبِ سلیم
در نگاہِ او کج آید مستقیم
بر کران از حرب و ضربِ کائنات
چشمِ او اندر سکوں بیند حیات(۳۲)

کچھ اوصاف گنوائے گئے ہیں۔ جب کسی قوم کی سوچ خراب ہو جاتی ہے (جیسا کہ مغرب مشرق کی سوچ خراب کر رہا ہے) تو اس کے ہاتھ سے خالص چاندی بھی کھوٹا سکہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مشرق کا قیمتی ذہن زنگ آلود ہو چکا ہے۔ اس کے سینے میں قلبِ سلیم مر جاتا ہے اور اسے سیدھی راہ ٹیڑھی دکھائی دینے لگتی ہے۔ وہ قوم کائنات کے ہنگاموں سے ایک طرف ہو کے بیٹھ جاتی ہے اور اس کی نگاہ سکون ہی میں زندگی دیکھتی ہے۔ دوسرے معنوں میں اقبالؒ نے متنبہ کیا ہے کہ اگر سوچ خراب ہو گئی تو یہ سب ہو گا۔ اس لیے اگر مستقبل واضح اور روشن رکھنا ہے تو سوچ کو خراب نہیں ہونے دینا۔ یہاں ایک اور مثال دے کر ارمغانِ حجاز کی طرف بڑھتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے زندگی گزارنے کا جو اصول طلوعِ اسلام میں صداقت، عدالت اور شجاعت جیسا سبق سیکھنے کے حوالے سے دیا تھا، یہاں اسی جذبے سے کہتے ہیں:

صداقت و اخلاص و نیاز و سوز و درد
نے زر و سیم و قماشِ سرخ و زرد(۳۳)

کہ زندگی صدقِ قلبی، اخلاصِ نیت، سوز و سازِ حیات اور دردِ انسانیت کا نام ہے۔ یہ فقط اسبابِ مادی کے حصول کا نام نہیں اور نہ ہی مال سمیٹنے میں سکون ہے۔

ارمغانِ حجاز جو کہ فکرِ اقبالؒ کی معراج اور خلاصۂ فکریاتِ اقبالؒ ہے، مستقبلِ ملتِ اسلامیہ کی ترکیب سازی کا عملی اقدام معلوم ہوتا ہے۔ حصہ فارسی کی تمام منظومات، ملت سازی اور مستقبل سازی کی دلیلیں ہیں۔ حضورِ حق، حضورِ رسالت، حضورِ ملت، حضورِ عالمِ انسانیت اور بہ یارانِ طریق جیسے عنوانات کی ذیل میں آنے والی تمام منظومات ملتِ اسلامیہ کے مقدر کے ستارے ہیں۔ یہاں فقط ابلیس کی مجلسِ شوریٰ نظم پر نگاہ کر لی جائے تو مقصد براری ہو جائے گی۔ یہ نظم امتِ مسلمہ کے سامنے اس کے دشمنوں کی ناپاک چالوں کا پردہ فاش کر رہی ہے کہ کس طرح مومن کو دائمی طور پر غلام رکھا جاسکتا ہے۔ آخری حل ابلیس یہی بتاتا ہے کہ دیکھنا کہیں شرعِ پیغمبرؐ یعنی دینِ اسلام کی حقیقی روح بیدار نہ ہو جائے۔ یہ وہ روح ہے جو مردِ مسلمان کو غیرت مند، حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما اور مرد آفرین بنا دیتی ہے۔ میں باقی کسی طاقت سے نہیں ڈرتا سوائے اس طاقت کے۔ اب مسلمان جو عقلِ سلیم رکھتا ہے، یہاں سے اپنے مستقبل کا راستہ چن لے گا کہ اس کے پاس وہ طاقت ہے جو آنے والے وقتوں میں اسے اسلام دشمنوں سے محفوظ رکھے گی۔ اس پر قرآن نے واضح حکم دیا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ[۳۴] اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی رسولؐ کی اطاعت کرو یا کہا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔[۳۵]

غرض یہ کہ اقبالی فکر پر ہر جگہ قرآنِ حکیم کی چھاپ نظر آتی ہے۔ جس زاویے سے بھی پرکھا جائے، کہیں نہ کہیں قرآنِ حکیم کی آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ جاتا ہے۔ یعنی اقبالؒ یہ کہنے میں بجا ہیں:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است

ترجمہ: اگرچہ میرے دل کا آئینہ بے جوہر ہے تاہم اگر میرے حروف میں (مفاہیم) قرآن کے علاوہ کچھ اور چھپا ہوا ہے.....(تو)..

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا[۳۶]

ترجمہ: مجھے قیامت کے دن ذلیل و خوار فرمایئے اور مجھے اپنے پائے مبارک کا بوسہ لینے سے محروم فرما دیجیے۔

یہی نصیحت ایک مسلمان اور پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے کہ اس کا کوئی اقدام بھی قرآنی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ وہ ملتِ اسلامیہ کے لیے حلال ہے جو قرآن نے حلال کی اور ہر وہ چیز حرام ہے جو قرآن نے حرام قرار دی ہے۔ وہ مادی حیثیت رکھتی ہے یا فکری حیثیت۔ وہ فکر جو مسلم معاشرے کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہے، اسے مسلمان کی طرف سے قبول کرنا حرام ہے۔ اگر یہاں تقویٰ اختیار کر لیا جائے تو مسلمانوں کا مستقبل محفوظ ہے۔ بصورتِ دیگر ابلیس اپنی چالیں چل چکا ہے جو کارآمد ثابت ہو رہی ہیں اور اگر رخ بدلا نہ گیا، ایسے ہی ہوتی بھی رہیں گی۔

ماحصل

اس مختصر اور جامع بحث کے بعد اب یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل نہ رہا کہ تمام تر افکارِ اقبالؒ کا تعلق مستقبلِ ملت سے ہے۔ چاہے وہ انفرادی اصلاح کی کوشش میں ہوں یا اجتماعی اصلاح چاہتے ہوں ہر دو لحاظ سے ملتِ اسلامیہ ہی کی مستقبل سازی ہے۔ دو مجموعے جو زیرِ بحث آئے ہیں ان میں دیکھا گیا ہے کہ "پس چہ باید کرد۔ اے اقوامِ شرق" تو سراسر ملتِ اسلامیہ کی اخلاق سازی و کردار سازی ہے جبکہ "ارمغانِ حجاز" قوم کے سامنے مستقبل کی سب تصویریں پیش کر رہا ہے۔ نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں قوم کے دشمنوں کے تمام تر عزائم پیش کر کے جیسے علامہ

نے پہلے سے ہی فکر کرنے اور لائحہ عمل تیار کرنے کی بانگِ دہل دعوت دی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی جمہوریہ پاکستان فکرِ اقبال کا ثمر ہے تو ریاست کے تمام تر شعبوں کو فکرِ اقبال کا تابع کر دینا لازمی ہے۔ فکرِ اقبال کا تابع کرنا اس لیے بھی لازمی ہے کہ علامہ نے ماضی و حال کے تمام تر تقاضوں کو جانچتے ہوئے ایک خوبصورت فارمولا تیار کر رکھا ہے جس کا سرچشمہ اور منبع القرآن الکریم ہے۔ قرآن سے تصور لے کر حضرات صحابہ اکرام کی پاک زندگیوں سے اس تصور کی عملی مثال بھی سامنے رکھتے ہیں تاکہ بات ہوائی نہ لگے بلکہ ہر کوئی جان لے کہ تصور محض تصور نہیں بلکہ لائقِ عمل فارمولا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ اقبال، زبورِ عجم (لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء)، ص ۳۵

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان، حکیم الامت۔ اقبال، تجدید و احیائے ملت کے تین معرکے (فیصل آباد: عمار پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۹۱

۳۔ پروفیسر ایوب صابر، اقبال دشمنی۔ ایک مطالعہ (لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص ۲۱

۴۔ علامہ اقبال، باقیاتِ اقبال بحوالہ حکیم الامت۔ اقبال، تجدید و احیائے ملت کے تین معرکے، ص ۸

۵۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) (لاہور: سعد پبلی کیشنز، س ن)، ص ۱۷۵

۶۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، مقالاتِ اقبال (لاہور: القمر انٹرپرائزز، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۰۱

۷۔ ایضاً، ص ۲۱۳

۸۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۱۱۔ علامہ اقبال، جاوید نامہ (لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء)، ص ۱۸۸

۱۲۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۳۸۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۸۹

۱۴۔ پروفیسر ایوب صابر، اقبال دشمنی۔ ایک مطالعہ، ص ۲۱-۲۲

۱۵۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۳۸۷

۱۶۔ مصاحبہ۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان (بفہ: ۸ جولائی ۲۰۲۲ء)

۱۷۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۲۱۷

۱۸۔ علامہ اقبال، اسرار و رموز مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء)، ص ۱۱۵

۱۹۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۷۰۱

۲۰۔ القرآن الکریم۔ ۲:۲

۲۱۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۶۲۴

۲۲۔ علامہ اقبال، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مسافر، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء)، ص ۷۲

۲۳۔ علامہ اقبال، پیامِ مشرق، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء)، ص ۲۴

۲۴۔ علامہ اقبال، ارمغانِ حجاز (فارسی)، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء)، ص ۷۲

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۲۵۲

۲۷۔ ایضاً، ص۲۵۳

۲۸۔ ایضاً، ص۶۳۸

۲۹۔ ایضاً، ص۴۰۸

۳۰۔ ایضاً، ص۳۲۰

۳۱۔ علامہ اقبال، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مسافر، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، ص۵

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ایضاً، ص۸-۹

۳۴۔ القرآن الکریم۔۴:۵۹

۳۵۔ القرآن الکریم۔۲۲:۷۸

۳۶۔ علامہ اقبال، اسرار و رموز مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، ص۱۵۷

منابع و مراجع

- القرآن الکریم
- صحاحِ ستہ
- ،زبورِ عجم از علامہ اقبال، لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء
- حکیم الامت۔ اقبال، تجدید و احیائے ملت کے تین معرکے از پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان۔ فیصل آباد: عمار پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
- اقبال دشمنی۔ ایک مطالعہ از ڈاکٹر ایوب صابر۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء
- باقیاتِ اقبال از علامہ اقبال
- کلیاتِ اقبال از علامہ اقبال، (اردو)۔ لاہور: سعد پبلی کیشنز،
- مقالاتِ اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۱ء
- جاوید نامہ از علامہ اقبال۔ لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء
- اسرار و رموز از علامہ اقبال، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی۔ لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء
- پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مسافر، علامہ اقبال، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی۔ لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء
- پیامِ مشرق از علامہ اقبال، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی۔ لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء
- ارمغانِ حجاز (فارسی) از علامہ اقبال، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی۔ لاہور: نقوش پریس، اشاعت دوم ۱۹۹۴ء